بسم اللہ الرحمن الرحیم

ششماہی علوم القرآن، علی گڑھ، ۲۷/۲، جولائی - دسمبر ۲۰۱۲ء

اداریہ

قرآن کا تصورِ علم

ظفر الاسلام اصلاحی

قرآن کریم اور علم میں جو گہرا تعلق ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ اس کی ابتدائی آیات میں علم کے اکتساب اور اس کے تحفظ و فروغ کے سب سے موثر ذرائع (قراءت/ پڑھنے اور قلم) کا ذکر ملتا ہے۔ قرآن کے مطابق اللہ رب العزت کی نگاہ میں ان لوگوں کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے جو علم کی نعمت سے بہرہ ور ہیں۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِيْنَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ۔ (المجادلہ/۱۱)

اللہ تم میں سے ان لوگوں کے درجات بلند فرمائے گا جو ایمان لائے اور جنھیں علم عطا کیا گیا۔

قرآن کی رو سے جو لوگ علم سے بے بہرہ ہیں ان لوگوں کے مقام تک کبھی نہیں پہنچ سکتے جو اس نعمت سے مشرف ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُونَ۔ (الزمر/۹)

ان سے پوچھو کیا علم والے اور جو علم نہیں رکھتے دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔

قرآن نے ان لوگوں کو خیر کے خزانہ کا مالک قرار دیا ہے جنھیں حکمت و دانائی کی بات عطا کی گئی۔ فرمان الٰہی ہے:

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْراً كَثِيراً وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُوْلُوا الْأَلْبَابِ۔ (البقرہ/۲۶۹)

اور جسے حکمت عطا ہوئی، اسے خیر کثیر کا خزانہ ملا۔ یاد دہانی تو وہی حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

علم کی نسبت سے بنیادی نکتہ جسے قرآن کریم سب سے پہلے انسان کے ذہن میں نقش کرنا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ اللہ کی عظیم نعمت یا عطیہ خداوندی ہے لہٰذا اسے حاصل کرتے ہوئے سب سے پہلے اس کا نام لیا جائے اور اسے یاد کیا جائے۔ یہ آیت اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے:

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ. خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اقْرَأْ وَرَبُّکَ الْأَکْرَمُ. الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ. عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ۔ (العلق/۱-۵)

پڑھ اپنے اس رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ انسان کو پیدا کیا خون کے ایک لوتھڑے سے۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا ہی کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا اور انسان کو وہ سب کچھ سکھایا جسے وہ جانتا نہ تھا۔

قرآن میں مختلف مقامات پر یہ واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جہاں اور بہت ساری نعمتیں عطا کیں وہیں ان میں ایک نعمت یہ بھی ہے کہ اس نے انھیں ایسی قوتیں وصلاحیتیں بخشیں کہ جن سے کام لے کر وہ علم حاصل کر سکے اور اسے محفوظ رکھ سکے۔ انسان نے دنیا میں قدم رکھا تو اسے کچھ بھی علم نہیں تھا، پھر اللہ کی عطا کردہ صلاحیتوں کو استعمال کر کے اس قابل ہو گیا کہ وہ جان سکے، چیزوں کو پہچان سکے اور انھیں سمجھ سکے۔ اس آیت میں یہی حقیقت بیان کی گئی ہے:

وَاللّٰہُ أَخْرَجَکُم مِّن بُطُونِ أُمَّهَاتِکُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَیْئاً وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُونَ۔ (النحل/۷۸)

اور اللہ نے تمھیں تمھاری ماؤں کی شکم سے نکالا اس حالت میں کہ تم لوگ کچھ نہیں جانتے تھے اور اس نے تمھارے لیے کان، آنکھ اور دل بنانے تاکہ تم شکر ادا کرنے والے ہو جاؤ۔

اس آیت میں انسان کی توجہ خاص طور سے اس جانب مبذول کرائی گئی ہے کہ اللہ نے اسے پیدا کرنے کے ساتھ اسے سننے، دیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں عطا کیں جو اس کے لیے علم کے حصول کا ذریعہ بننے والی ہیں۔ آیت کا آخری حصہ اسے یہ حقیقت یاد دلا رہا

ہے کہ وہ علم کو اللہ کی عظیم نعمت سمجھے اور منعم حقیقی کو یاد کر کے سراپا شکر و سپاس بن جائے۔

انسان ابتدائی مرحلہ میں زبانی طور پر کچھ کہہ کر یا بول کر علم حاصل کرتا ہے یا کسی چیز کے بارے میں معلومات اکٹھا کرتا ہے، اسی طرح اپنی قوتِ گویائی سے کام لے کر اپنے علم کو دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ سورہ رحمٰن (جو انعامات الٰہی کے تذکرہ کے لیے معروف ہے) کے شروع ہی میں اللہ تعالیٰ نے اسے اپنا خاص فضل قرار دیا کہ اس نے انسان کو پیدا کیا اور پھر اسے قوت گویائی عطا کی یا اپنی بات کو واضح کرنے کا طریقہ سکھایا۔ ارشاد خداوندی ہے:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ. عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۔ اس نے انسان کو پیدا کیا، اسے گویائی سکھائی۔
(الرحمٰن/۳-۴)

یہاں یہ واضح رہے کہ ایک جانب قرآن نے علم کے حصول و فروغ کے لیے اللہ رب العزت کے مہیا کردہ ذرائع اور انسان کو بخشی گئی صلاحیتوں کو ذکر کر کے اسے یہ یاد دلایا کہ وہ ہر حال میں اپنا اور علم کا رشتہ ربِ کائنات سے جوڑے رکھے۔ دوسری جانب اللہ تعالیٰ نے کچھ مخصوص چیزوں کا جو علم عطا کیا ہے ان کی طرف متوجہ کر کے قرآن نے یہ درس دیا کہ ان سے فائدہ اٹھاتے وقت بھی اللہ کو یاد کرنا اور اس کا شکر بجالانا ضروری ہے۔ ان میں دینی عقاید و احکام الٰہی کا علم، انبیاء کرام کی زندگی کے سبق آموز واقعات اور ان کی تعلیمات کا علم، مختلف زمانوں میں فرماں بردار بندوں اور نافرمانوں کو اللہ کی جانب سے جزاء و سزا دیے جانے کے علم، قیامت، آخرت اور جنت و جہنم کے احوال اور دوسری غیب کی باتوں کا علم۔ چوں کہ ان تمام باتوں کے علم کا منبع قرآن حکیم ہے اس لیے انسان کو قرآن کا علم مرحمت کرنے کو اللہ رب العزت نے اپنی صفت رحمانیت کا فیض قرار دے کر اس علم کی اہمیت و افضلیت آشکارا کی، جیسا کہ اس آیت میں واضح فرمایا:

اَلرَّحْمٰنُ. عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۔ خدائے رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی۔
(الرحمٰن/۱-۲)

مزید براں قرآن نے انسان کو یہ بھی یاد دلایا کہ اللہ رب العزت نے نبی

آخرالزماں ﷺ پر یہ کتاب ہدایت و رحمت نازل فرما کر علم و حکمت کا بیش بہا خزانہ عطا کیا اور اس کتاب کے وسیلہ سے انھیں ایسی چیزوں کے علم سے نوازا جن تک کسی اور ذریعہ سے رسائی ممکن نہیں تھی اور آپ ﷺ کے واسطہ سے پوری دنیا اس علم سے فیض یاب ہوئی۔ اس آیت میں اسی حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے:

وَأَنزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ	اور اللہ نے تم پر کتاب و حکمت نازل فرمائی
وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ	اور تمھیں وہ چیز سکھائی جسے تم نہیں جانتے
فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا۔ (النساء/۱۱۳)	تھے اور یہ اللہ کا فضل (تم پر) بہت بڑا ہے۔

آیت کا آخری حصہ اس نکتہ کی جانب اشارہ کر رہا ہے کہ قرآن کریم کا نزول اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے کہ یہ انسانوں کے لیے رہنمائی کا بہترین ذریعہ ہے اور اس میں علوم و معارف کا ایسا عظیم الشان خزانہ دستیاب ہے کہ اس کی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ ان تمام تفصیلات سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ عام علم بھی اللہ کی نعمت ہے اور علم قرآن دنیائے علم کی عظیم ترین نعمت ہے۔ قرآن یہی تصور ذہن میں بٹھانا چاہتا ہے اور اس سے آگے بڑھ کر انسان کو یہ پیغام دیتا ہے کہ علم کا جو حصہ بھی اسے نصیب ہو اس پر سب سے پہلے پروردگار عالم کو یاد کرے اور زبان، قلب و عمل سے اس کا شکر ادا کرے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ علم میں برکت ہوگی بلکہ اسے صحیح رخ مل جائے گا جو اس کی نافعیت کو مزید بڑھا دے گا۔

قرآن کے اس تصور علم پر اگر دھیان دیا جائے اور اسے دل و دماغ میں رچا بسا لیا جائے تو اس کا لازمی نتیجہ معرفتِ الٰہی کے حصول کی صورت میں ظاہر ہوگا یعنی یہ یقین مضبوط ہوگا کہ اللہ ہر چیز کا خالق و مالک ہے، بندوں پر اس کے فضل و کرم اور احسانات کی کوئی حد و انتہا نہیں۔ انھیں نہ معلوم کتنی چیزیں ان کے فائدہ کے لیے عطا کی ہیں۔ انہی میں سے علم ہے اور تحصیل و اشاعتِ علوم کے وسائل بھی۔ انھیں بروئے کار لا کر صاحبِ علم اپنی زندگی کو سنوارتا ہے اور دوسروں کو بھی نفع پہنچاتا ہے۔ تصور علم کے اس پہلو پر مزید غور کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ قرآن کی رو سے طلب علم کا اولین بنیادی مقصد قادر

مطلق، علیم وخبیر، رب العالمین اور منعم حقیقی کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے مقام ومرتبہ کو پہچاننا اور اس کا حق ادا کرنا یعنی شکر الٰہی کی کیفیت سے لبریز ہوجانا اور اطاعت الٰہی کے جذبہ سے سرشار ہوجانا۔ حقیقت یہ کہ کسی کے صاحبِ علم ہونے کی پہلی علامت یہ ہے کہ اسے اپنے رب کی معرفت حاصل ہو اور اس کا تعلق علم کی نعمت عطا کرنے والے سے مضبوط ہوجائے اور شکر گزاری اس کی روش بن جائے۔ اگر کوئی صاحبِ علم اس صفت سے عاری ہے تو وہ کھوکھلا سمجھا جائے گا چاہے وہ اپنے کو علوم وفنون کا کتنا بڑا ماہر کیوں نہ گردانے۔

قرآن کے تصور علم کا دوسرا پہلو اس کی ماہیت یا اس کی معنوی خوبی سے تعلق رکھتا ہے۔ قرآن کریم کی رو سے علم وہی معتبر وقابل اعتماد ہے جس کی کوئی ٹھوس بنیاد ہو یا جس کی پشت پر کوئی محکم دلیل ہو۔ اس پر سب سے بڑی شہادت اس امر سے ملتی ہے کہ بعض آیات میں علم کو ثبوت یا دلیل کے ہم معنی استعمال کیا گیا ہے اور جس بات کا کوئی ثبوت نہ ہو اسے علم کے دائرہ سے خارج اور نری قیاس آرائی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے متعلق نصاریٰ کے من گھڑت تصورات کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا. بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا۔ (النساء/۱۵۷-۱۵۸)

ان کو اس کے بارے میں کوئی (قطعی) علم نہیں ہے، پس گمان کی پیروی کررہے ہیں۔ انھوں نے ہرگز انھیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انھیں اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ غلبہ و حکمت والا ہے۔

مشرکین مکہ بلا کسی سند بعض جانوروں کے گوشت کو حرام قرار دیتے تھے اور اسے گذشتہ انبیاء کی شریعت سے منسوب کرتے تھے، قرآن نے ان سے یہ مطالبہ کیا:

نَبِّئُونِي بِعِلْمٍ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ۔ (الانعام/۱۴۳)

مجھے بتاؤ کسی علم (سند) کے ساتھ اگر تم سچ ہو۔

اس آیت میں علم کو واضح طور پر سند یا ثبوت کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اسی طرح ایک دوسری آیت میں ان سے یہ سوال کیا گیا ہے کہ اسلام کے برخلاف جو مذہبی عقاید وتصورات وہ بڑی ہٹ دھرمی سے پیش کررہے ہیں ان کے پاس ان کا کوئی ثبوت ہو تو سامنے لائیں یہاں بھی قرآن اس کے لیے علم کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

قُلْ هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ۔ (الانعام/۱۴۸)

ان سے پوچھو کیا تمھارے پاس کوئی علم (ثبوت) ہے جسے ہمارے سامنے پیش کرسکو۔ تم محض گمان پر چل رہے ہو اور نری قیاس آرائیاں کرتے ہو۔

مزید براں جو لوگ بلا کسی ثبوت اپنی ہوا و ہوس کی پیروی کرتے رہتے ہیں قرآن انھیں علم سے عاری تصور کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ (الروم/۲۹)

بلکہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والوں نے بلا علم (دلیل) اپنی خواہشات کی پیروی کررکھی ہے۔

ان تمام تفصیلات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن کی نظر میں کسی بات کے علم کے معیار تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ دلائل وشواہد سے مستحکم ہو، اسی لیے قرآن کسی ایسی بات یا خبر کے اظہار سے منع کرتا ہے جس کی کوئی بنیاد نہ ہو یا جس کا علم صحیح ذرائع سے نہ حاصل ہوا ہو، اس لیے کہ وہ اس لائق نہیں کہ اسے علم کا درجہ دیا جائے اور اسے دوسروں تک منتقل کیا جائے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْؤُلًا۔ (بنی اسرائیل/۳۶)

اور جس چیز کا تمھیں (صحیح) علم نہیں ہے اس کے درپے نہ ہو، کیونکہ کان، آنکھ، دل ان میں سے ہر ایک چیز سے اس کی پرسش ہوگی۔

آیت کے آخری حصہ سے یہ نکتہ واضح ہوتا ہے کہ ذرائع علم کو ٹھیک طور پر استعمال کرنے سے ہی صحیح علم حاصل ہوسکتا ہے اور اسے محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔ جو لوگ ان ذرائع سے صحیح طور پر کام نہیں لیتے وہ اللہ رب العزت کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔

مزید براں علم کی صحت اور اسے دلیل سے مستحکم کرنے پر قرآن نے جو زور دیا ہے اس پر یہ امر بھی شاہد ہے کہ وہ ان چیزوں کے بارے میں بحث کرنے یا حجت کرنے سے منع کرتا ہے جن کا صحیح علم نہیں ہے، یعنی اگر کسی معاملہ میں کسی سے بحث کی جائے یا اپنی بات کو پرزور انداز میں منوانے کی کوشش کی جائے تو ایسا اسی وقت کیا جائے جب کہ زیر بحث مسئلہ کے بارے میں اسے صحیح علم ہو یا اس کی کوئی ٹھوس بنیاد اس کے پاس موجود ہو۔ بلا دلیل یا ثبوت کسی مسئلہ کے بارے میں اظہار خیال کرنا یا اس پر بحث و مباحثہ کرنا قرآن کی رو سے صحیح نہیں ہے۔ اس آیت سے یہی درس ملتا ہے:

فَلِمَ تُحَآجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔ (آل عمران/٦٦)

پس ان چیزوں کے بارے میں کیوں حجت کرتے ہو جس سے متعلق تمھیں کوئی علم نہیں ہے اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

قرآن نے ان لوگوں پر سخت نکیر کی ہے جو بغیر کسی علم یا ٹھوس دلیل کے اللہ رب العزت کے بارے میں کٹ حجتی کرتے تھے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ۔ (لقمان/٢٠)

اور لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جو بلا علم یا بغیر کسی ہدایت و روشن کتاب کے اللہ کے بارے میں بحث و جدال کرتے ہیں۔

قرآن کے تصور علم کا تیسرا پہلو اس کی افادیت یا نافعیت سے تعلق رکھتا ہے۔ علم کی قدر و قیمت دراصل اس بات پر منحصر ہے کہ اسے اپنے لیے مفید بنایا جائے اور دوسروں کو بھی اس سے نفع پہنچایا جائے۔ نبی کریم ﷺ کی مسنون دعاؤں میں یہ دعا بہت مشہور ہے:

اللھم انی اسئالک علما نافعا ورزقا طیبا وعملا متقبلا (سنن ابن ماجہ، ابواب اقامة الصلوات والسنة فیھا، باب ما یقال بعد التسلیم)

اے اللہ میں تجھ سے نفع بخش علم، پاک روزی اور مقبول بارگاہ ہونے والے علم کا طلب گار ہوں۔

قرآن کریم میں کسی چیز کی طلب یا حصول کے لیے ذریعہ و مقصد دونوں کی

پاکیزگی پر زور دیا گیا ہے۔ علم کی راہ میں اس سے بڑھ کر پاک مقصد اور کیا ہوسکتا ہے کہ یہ باعث افادیت بنے۔ علم کو نافع و کارآمد بنانے کی ترغیب وتشویق ان آیات سے ملتی ہے جن میں (جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا) علم کو عطیہ الٰہی، رحمتِ الٰہی کا مظہر اور فضل خداوندی قرار دیا گیا ہے۔ اس سے انسان کو یہ سبق سکھانا مقصود ہے کہ جو لوگ اس نعمت سے سرفراز ہوجائیں ان پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کو بھی اس سے فیض پہنچائیں اور طالبین وشائقین علم کو موقع دیں کہ وہ ان کے علم سے فائدہ اٹھائیں۔ علم وحکمت کی نعمت عطا ہونے پر قرآن میں شکرِ خداوندی بجالانے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اپنے علم کو دوسروں کے لیے فائدہ مند بنانا یا علم کی نعمت میں اللہ کے بندوں کو شریک کرنا اس پر شکر ادا کرنے کی ایک بہترین صورت ہے۔ مختلف آیات میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے اس انداز میں خطاب کیا ہے کہ اللہ ہی نے تمھیں ان باتوں کا علم دیا جن سے تم ناواقف تھے، اسی نے تمھیں وہ چیزیں سکھائیں جن سے تم نابلد تھے۔ اسی نے تم سب کو وہ صلاحیتیں عطا کیں جن سے کام لے کر تم علم کے خزانہ تک پہنچے جاتے ہو، اس انداز بیان سے اہل علم کو یہ نکتہ ذہن نشیں کرانا مقصود ہے کہ اللہ رب العزت کی توفیق سے وہ علم کی دولت سے مالا مال ہوئے ہیں تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اللہ کے ان بندوں کو اس سے مستفیض کریں جو اس سے محروم ہیں یا جو اس کے طالب بن کر ان کے پاس آئیں۔ قرآن کی یہ آیت اہل علم کو بھی دعوت فکر وعمل دے رہی ہے۔

وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۔ (القصص/۷۷) — جس طرح اللہ نے تمھارے ساتھ احسان کیا ہے اسی طرح تم بھی [دوسروں کے ساتھ] احسان کرو۔

بعض آیات میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر علم وہنر والوں کو یہ ہدایت دی ہے کہ وہ اپنے علم وہنر سے دوسروں کو فائدہ پہنچائیں۔ قرض کے لین دین میں قرآن نے یہ ضابطہ وضع کیا ہے کہ معاملہ طے ہوتے وقت اسے لکھ لیا جائے یعنی اس کی تحریری دستاویز تیار کرلی جائے، اسی ضمن میں یہ تعلیم بھی ملتی ہے کہ جو لوگ لکھنا جانتے ہیں وہ آگے بڑھ کر اس کام میں تعاون دیں اور ہرگز لکھنے سے انکار نہ کریں۔ اسی کے ساتھ اس قیمتی نکتہ کی

طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ جس طرح اللہ نے انھیں یہ ہنر سکھایا ہے اور ان کے ساتھ احسان کیا ہے اسی طرح وہ دوسروں کو بھی محسنانہ تعاون دیں۔ آیت دین کے اس حصہ میں یہ تمام حقائق پوشیدہ ہیں:

وَلاَ يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ ۔(البقرہ/۲۸۲)	اور جسے لکھنا آتا ہو وہ لکھنے سے انکار نہ کرے، جس طرح اللہ نے اسے (لکھنا) سکھایا ہے۔

یہاں ایک خاص سیاق میں فن تحریر سے دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اسی پر دوسرے علوم وفنون کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے جن سے انسان بتوفیق الٰہی بہرہ ور ہوتا ہے۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ قرآن کی نظر میں علم کی ترقی بہرحال مطلوب ہے۔ اس کے لیے دعا بھی تلقین کی گئی ہے۔ وَقُل رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْماً ۔(طہٰ/۱۱۴) (کہہ دو اے میرے رب میرے علم میں اضافہ کر)۔ علم کو ترقی دینے کی ایک معروف صورت یہ ہے کہ اسے دوسروں تک منتقل کیا جائے اور زبان وقلم و دوسرے ذرائع سے اس کی اشاعت کی جائے۔ ظاہر ہے کہ اس عمل سے بھی لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ حقیقت یہ کہ علم علم نافع اسی وقت کہلائے گا جب اسے اپنے اور دوسروں کے فائدہ کے لیے استعمال کیا جائے، علم کو ترقی اسی وقت نصیب ہوگی جب اسے خرچ کیا جائے یعنی دوسروں تک منتقل کیا جائے۔ تیسرے حدیث شریف میں اسی علم کو صدقہ جاریہ میں شامل کیا گیا ہے جو نفع بخش ثابت ہو۔ (**علم ينتفع به / صحيح مسلم، كتاب الوصية، باب ما يلحق الانسان من الثواب بعد وفاته**)

ان تمام باتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن کریم وحدیث کی نظر میں علم نافع کی ہی قدر وقیمت ہے، علم حاصل کرلینا کافی نہیں ہے بلکہ اسے نفع بخش بنانا بھی مطلوب ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ کن علوم کی تحصیل قرآن کی نظر میں مطلوب ہے یا کون سے علوم قرآن کی رو سے نافع قرار پائیں گے۔ اس سلسلہ میں کچھ اشارے اوپر کیے جاچکے ہیں، یہاں

مزید وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے۔اس سلسلہ میں باقاعدہ کوئی تحدید یا تخصیص قرآن میں نہیں ملتی لیکن اس کے مجموعی مطالعہ کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب ہدایت ان تمام علوم کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے جو حاصل کرنے والے کی دینی و اخلاقی تربیت کا ذریعہ بن جائے، اس کی عملی زندگی میں کارآمد اور دوسروں کے لیے نفع بخش ثابت ہو،علوم کی نافعیت کے مختلف مدارج ہوسکتے ہیں، کچھ زیادہ نفع بخش ہوں گے اور کچھ اس سے کم ہوں گے، ظاہر ہے کہ وہ علم سب سے زیادہ مفید و افضل قرار پائے گا جو اللہ کے پسندیدہ طریقہ زندگی کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے اور انسان کو کامیابی کی راہ دکھانے والا ہے۔ قرآن نے اپنی جو خصوصیات بیان کی ہیں ان میں اسے بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ارشاد الٰہی ہے:

إِنَّ هَـذَا الْقُرْآنَ يِهْدِئ لِلَّتِئ هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْراً كَبِيْراً ـ (بنی اسرائیل/۹)

حقیقت یہ کہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے اور ان اہل ایمان کو جو نیک عمل کرتے ہیں یہ بشارت دیتا ہے کہ ان کے لیے بڑا اجر ہے۔

هَـذَا بَصَـائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ـ (الجاثیہ/۲۰)

یہ بصیرت کی روشنیاں ہیں سب کے لیے اور ہدایت و رحمت ان لوگون کے لیے جو یقین لائیں۔

اسی خصوصیت کی وجہ سے علم قرآن کو اشرف العلوم کہا گیا ہے۔رسول اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی میں اس حقیقت کی بہترین ترجمانی ملتی ہے۔**افضلکم من تعلم القرآن وعلمه** (صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب من تعلم القرآن وعلمه) [تم میں افضل وہ ہے جس نے قرآن کا علم حاصل کیا اور دوسروں کو سکھایا]۔

قرآن کریم کی مختلف آیات میں یہ ہدایات ملتی ہیں کہ لوگوں سے بھلی بات کہو، انھیں اچھی باتوں اور نیک عمل کی یاددہانی کرتے رہو، قرآن کے ذریعہ لوگوں کی تذکیر کرو، قرآن کے پیغام کو عام کرو۔ بلاشبہ ان ہدایات پر عمل ہر حال میں باعث خیر ہے لیکن ان پر

عمل آوری اسی وقت ممکن ہوگی جب قرآن سے تعلق مضبوط کیا جائے، اس کے پیغام و احکام کو سمجھا جائے اور اس کا علم حاصل کیا جائے۔ بالفاظ دیگر علم قرآن میں مہارت اور اس کی اشاعت سے ان ہدایات پر عمل کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔ دوسرے یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ علمِ قرآن کی طلب اور اس راہ میں تحقیق و جستجو کی بدولت بہت سے علوم و فنون کو توسیع و ترقی نصیب ہوئی۔ مزید براں قرآن حکیم سے مختلف سماجی و سائنسی علوم کے میدان میں بنیادی رہنمائی ملتی ہے۔ ان سب خصوصیات کی وجہ سے علم نافع کی حیثیت سے بلاشبہ علم قرآن کو سب سے بلند و برتر مقام حاصل ہے۔

علم قرآن کے بعد علم حدیث کی نافعیت ثابت شدہ ہے۔ قرآن کے بعد حدیث ہدایت کا دوسرا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنی اطاعت کے فوراً بعد رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ مزید براں آپ ﷺ کی زندگی کو ساری انسانیت کے لیے بہترین اسوہ قرار دیا ہے (الاحزاب/۲۱) اور صاف صاف یہ ہدایت دی ہے کہ رسول ﷺ جو کچھ حکم دیں اسے قبول کرلو اور جس بات سے وہ منع کریں اس سے اجتناب کرو (الحشر/۷)۔ ان سب کے علاوہ حدیث کو اس لحاظ سے بھی اہمیت حاصل ہے کہ قرآن مجید کو سمجھنے، اس کی مشکلات کو حل کرنے اور اس کے مختصرات کی تفصیل معلوم ہونے میں یہ سب سے زیادہ ممد و معاون ثابت ہوتی ہے۔ آپ ﷺ کا قول و عمل قرآن کی اولین تفسیر ہے۔ حدیث کی یہ حیثیت قرآن کی اس آیت سے بخوبی واضح ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ کو یہ ذمہ داری تفویض کی گئی ہے کہ آپ لوگوں کے لیے آیات قرآنی کی تشریح و توضیح فرمائیں۔ ارشاد ربانی ہے:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۔ (النحل/۴۴)

اور ہم نے آپ کی طرف قرآن نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لیے اس چیز کو واضح کریں جو ان کے لیے اتاری گئی اور تاکہ وہ غور و فکر کریں۔

مختصر یہ کہ حدیث ہدایت کا دوسرا منبع ہے، جو علم اس سے فیض یابی میں مدد دیتا ہے

اوراس سے استفادہ کی راہ ہموار کرتا ہے وہ بھی یقیناً نافعیت کے ایک بلند مقام پر فائز ہے۔

ان سب کے علاوہ ایک اور خاص علم جس کے حصول کی ضرورت واہمیت قرآن نے واضح کی ہے وہ ہے دینی احکام وتعلیمات کے حقائق وحِکم اور مصالح ومقاصد کا علم جسے قرآن نے ''تفقہ فی الدین'' سے تعبیر کیا ہے۔ اسے سیدھے سادے لفظوں میں کہا جاسکتا ہے: دین کی صحیح سمجھ بوجھ پیدا کرنا اوراس کی روح تک پہنچنا۔ قرآن کی ایک آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ امت کو کچھ ایسے افراد درکار ہیں جو تفقہ فی الدین سے متصف ہوں یعنی دین کی صحیح سمجھ اوراس کا پختہ شعور رکھتے ہوں تاکہ وہ لوگوں کو دین کے حقائق سے آگاہ کرسکیں اور دین کے خلاف جو باتیں نظر آئیں ان سے متنبہ کرسکیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ۔ (التوبۃ/۱۲۲)

مگر ایسا کیوں نہ ہو کہ ان کی آبادی کے حصہ میں سے کچھ لوگ نکل آتے اور دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس جاکر اپنے علاقہ کے باشندوں کو خبردار کرتے [تاکہ وہ غلط روش سے پرہیز کرتے]۔

اس آیت کے حوالہ سے تفقہ فی الدین کے مفہوم کے تعین میں مفسرین کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض مفسرین نے اس سے دین کی صحیح سمجھ مراد لیا ہے، یعنی قرآن کی رو سے مسلمانوں میں ایسے لوگ ضرور ہونے چاہیے جو دین کی صحیح سمجھ رکھتے ہوں اور انھیں یہ شعور حاصل ہو کہ کون سا منہج فکر اور کون سا طرز عمل دین کی اسپرٹ کے مطابق ہے۔ کچھ علماء نے تفقہ فی الدین کو وسیع معنی میں استعمال کرتے ہوئے اس میں قرآن کے معانی ونکات کو سمجھنا، احادیث کو سمجھنا اور قرآن وسنت سے جو احکام ومسائل نکلتے ہیں ان سب کا علم حاصل کرنا شامل کیا ہے اور انھوں نے اس جانب بھی توجہ دلائی ہے کہ قرآن نے تعلم کے بجائے تفقہ کا لفظ اس وجہ سے استعمال کیا ہے کہ علم دین کا محض پڑھ لینا کافی نہیں ہے وہ تو بہت سے غیر مسلم بھی پڑھ لیتے ہیں بلکہ علم دین کے حصول سے مراد دین کی سمجھ پیدا کرنا ہے۔ بعض مفسرین نے اس کا مفہوم احکام شریعت سے گہری واقفیت یا علم فقہ

میں مہارت تک محدود رکھا ہے اور انھوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس آیت سے ماہرین فقہ یا فقہی بصیرت رکھنے والوں کی ضرورت و اہمیت ظاہر ہوتی ہے، واقعہ یہ کہ تفقہ فی الدین علم کے ایک یا دو شعبہ میں مہارت سے عبارت نہیں بلکہ یہ مجموعی طور پر قرآن و حدیث پر گہری نظر و فقہی بصیرت کے ساتھ دل میں للّٰہیت ، خشیت الٰہی اور خلوص کے پرورش پانے کا نام ہے۔ یہ دین کی سمجھ کا نہایت بلند مرحلہ ہے اور اس تک وہی خوش نصیب پہنچتے ہیں جن پر اللہ رب العزت کا خصوصی فضل و کرم ہوتا ہے جیسا کہ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین (صحیح بخاری، کتاب العلم، باب من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین)۔

اللہ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے اسے تفقہ فی الدین عطا کرتا ہے۔

تفقہ فی الدین دراصل تعلیمِ دین کا ماحصل یا مغز ہے جس سے اساسات دین میں فہم و بصیرت پیدا ہوتی ہے اور دین کی معنویت و اس کے حقائق کا ادراک ہوتا ہے۔ یہ علم کی ایک ایسی مخصوص و اعلیٰ قسم ہے جو علم ظاہر و علم باطن دونوں کو محیط ہے۔ اس سے بہرہ ور ہونے والے شخص کا دوسروں کے لیے باعث خیر ہونا شک و شبہ سے بالاتر ہے۔

اِن علوم کے علاوہ اور کون سے علوم ہیں جو قرآن کی نظر میں نفع بخش کہے جا سکتے ہیں حقیقت یہ کہ اس سلسلہ میں (جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا) کوئی حد بندی نہیں کی جاسکتی۔ بس یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن کی رو سے ہر وہ علم علم نافع کہلائے گا جو کسی بھی صورت میں علم حاصل کرنے والے کے لیے نفع بخش ثابت ہو اور دوسروں کے لیے بھی باعثِ افادیت بن سکے۔ انفرادی ضرورت اور اجتماعی فلاح و بہبود کے اعتبار سے علوم کے نفع بخش ہونے کی نوعیت میں فرق آسکتا ہے اور زمانہ کے مزاج کے لحاظ سے اس میں تبدیلی بھی ہوسکتی ہے۔ عہد نبوی ﷺ میں انفرادی و اجتماعی ضرورت کے تحت اگر اہل اسلام خاص کر مدینہ والوں کے لیے کتابت یا لکھنا سیکھنا زیادہ مفید تھا اور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کو اس کی ترغیب دی اور کتابت سکھانے کا باقاعدہ اہتمام فرمایا تو جدید دور میں وقت کی ضرورت کے

لحاظ سے کمپیوٹر ٹائپنگ سیکھنے کی افادیت سے کون انکار کرسکتا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے یہودیوں سے رابطہ و مراسلت میں آسانی کے لیے یا اجتماعی ضرورت کے تحت حضرت زید بن ثابتؓ کو عبرانی زبان سیکھنے کی ہدایت دی اور دوسرے صحابہ میں اس کی تحریک پیدا کی تو آج کے دور میں ذاتی ضروریات کی تکمیل اور دینی وملی مفاد کے کاموں کے لیے انگریزی اور دوسری جدید زبانوں کا سیکھنا بلاشبہ نفع سے خالی نہیں۔

یہاں اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے کہ قرآن نے مختلف انداز میں انسان کو اپنے علم کو نفع بخش بنانے کی ترغیب دی ہے اور اصحاب علم و ہنر میں اس کے لیے تحریک پیدا کی ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ قرآن میں یہ بیان کیا گیا ہے جو کچھ زمین میں ہے اللہ نے اسے انسان کے فائدہ کے لیے پیدا کیا ہے (البقرہ/۲۹)۔ اسی طرح حیوانات، نباتات، جمادات اور بعض دوسری مخلوقات کے کچھ فوائد ظاہر کرکے یہ اشارہ دیا گیا ہے کہ ان میں اور بہت سے منافع ہیں (یونس/۱۵، النحل/۱۵-۱۶، المومنون/۲۱، یٰسن/۷۳، الحدید/۲۵)۔ یہ بات محتاج وضاحت نہیں کہ ان چیزوں کو قابل استعمال بنانا، ان کے ظاہری فوائد سے فیض یابی کی سہولتیں فراہم کرنا اور ان کے پوشیدہ نفع بخش پہلوؤں کا پتہ لگانا اور انھیں عملی صورت میں لوگوں کے سامنے پیش کرنا اس بات پر منحصر ہے کہ ان چیزوں سے متعلق مطالعہ، مشاہدہ و تحقیق کے عمل کو آگے بڑھایا جائے اور اس کے بارے میں جو کچھ علم میسر ہے اسے حاصل کیا جائے اور ترقی دی جائے۔ ان تمام باتوں سے نہ صرف سائنس وٹکنالوجی کے میدان میں تحقیقی کام کرنے کی ترغیب ملتی ہے بلکہ ان کے افادی پہلو کو سامنے لانے کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ یہ بات بخوبی معروف ہے کہ ان علوم کے ماہرین نے اللہ رب العزت کی عطا کردہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر انسان کے فائدہ کے لیے ماضی میں جو چیزیں تیار کی ہیں اور وہ جدید دور میں جو نت نئی چیزیں تیار کررہے ہیں وہ بلاشبہ علم کو نفع بخش بنانا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بعض اوقات انسان ان کا بیجا استعمال کرکے انھیں اپنے لیے ضرر رساں بنادیتا ہے۔ یہ درحقیقت خالق کائنات کی ہدایات سے غفلت یا ان کی خلاف ورزی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس طرح کسی علم یا اس کے نتائج کو نفع بخش

بنانا ایک حد تک خود انسان کے رویہ وطرز عمل پر منحصر ہوتا ہے۔

قرآن نے علم کا جو تصور دیا ہے اس کی عظمت و رفعت ان خصوصیات سے بھی واضح ہوتی ہے جو اس کتاب مبین میں اہل علم سے منسوب کی گئی ہیں۔ ان میں سب سے اہم یہ کہ ان کے قلوب خشیت الٰہی سے معمور ہوتے ہیں یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کے تصور اور آخرت میں گرفت کے احساس سے لرزتے رہتے ہیں۔ فرمان الٰہی ہے:

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۔ (فاطر/۲۸)

حقیقت یہ کہ اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں۔

اس آیت میں علماء سے مراد عام اہل علم ہیں یا اسلامی علوم کے ماہرین یا کوئی خاص صفت رکھنے والے اصحاب علم۔ مفسرین نے عام طور پر اس سے ان اہل علم کو مراد لیا ہے جنھیں اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے، یعنی جس شخص کو اللہ کی قدرت، حکمت، علم، اختیار، عظمت و کبریائی اور دوسری صفات کا جتنا زیادہ علم ہوگا اتنا ہی زیادہ وہ اللہ سے ڈرنے والا ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں خشیت الٰہی کا تعلق معرفت الٰہی سے ہے نہ کہ روایتی یا اصطلاحی علمیت سے۔ اسی معرفت سے علم کو صحت، صداقت و صالحیت نصیب ہوتی ہے جو اس کا تعلق رب کائنات سے مضبوط کرتی ہے اور اسے انسانیت کے لیے باعث خیر بنا دیتی ہے۔ اس اعتبار سے اہل علم کی ایک مخصوص قسم تشکیل پاتی ہے جن کا امتیاز صفات الٰہی کا گہرا علم ہوتا ہے قطع نظر اس کے کہ وہ مروجہ علوم کے ماہر ہیں یا نہیں۔ مولانا امین احسن اصلاحی اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحیح علم کا منبع درحقیقت اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے، جس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں ہوئی وہ علم سے بالکل محروم ہے گرچہ وہ دنیا جہان کی کتابیں حفظ کر ڈالے۔ اسی طرح یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جس کو خدا کی معرفت حاصل ہے اس کے اندر لازماً خشیت بھی ہوگی۔ اگر کوئی شخص خدا کی خشیت سے محروم ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس کی معرفت سے بھی محروم ہے۔ یہی معرفت و خشیت انسان

کے تمام علوم وافکار میں حقیقی زندگی پیدا کرتی ہے جس سے علوم وفنون دنیا کے لیے موجبِ خیر و برکت بنتے ہیں"۔ (تدبر قرآن، تاج کمپنی، دہلی، ۱۹۸۹ء، ۶/ ۳۷۷)

اس اقتباس سے اس خیال کی مزید تائید ہوتی ہے کہ قرآن کی رو سے اکتساب علم کا بنیادی مقصد معرفت الٰہی کا حصول ہے اور اس کا لازمی نتیجہ خشیت الٰہی کی کیفیت سے معمور ہونا ہے۔ مذکورہ آیت کے حوالہ سے متعدد مفسرین کی تشریحات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خشیت الٰہی سے متصف اہل علم کا اطلاق صرف ان لوگوں پر نہیں کیا جاسکتا جنھیں اصطلاحی معنوں میں علماءِ دین یا اسلامی وعربی علوم کا ماہر کہا جاتا ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر قرآن وحدیث کی تعلیم سے کسی کے اندر خشیت الٰہی کی صفت پیدا نہیں ہوتی تو کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ صحیح نہج پر اس کی تعلیم سے فیض یاب ہو رہا ہے یا اس تعلیم کے دوران اس نے صحیح معنوں میں ہدایت کے ان منابع سے سیرابی حاصل کی ہے۔ اس لیے کہ یہ بات ناقابل فہم ہے کہ کسی کو قرآن وحدیث کی تعلیمات واحکام کا گہرا علم ہو اور اس پر خشیت الٰہی نہ طاری ہو۔ دوسرے صفات الٰہی کا بیان جس جامع انداز اور احسن طریقہ پر قرآن میں ملتا ہے کیا اس کی نظیر کہیں اور مل سکتی ہے۔ حقیقت یہ کہ قرآن کریم معرفت الٰہی کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ ہے جیسا کہ اوپر بھی بیان کیا جاچکا ہے۔ اس لیے اس کتاب کے صحیح، سچ وگہرے علم سے خشیت الٰہی کا پیدا ہونا لازمی ہے۔

قرآن کریم کی رو سے اہل علم کا دوسرا خاصہ یہ ہے کہ وہ عقل کو صحیح طور پر استعمال کرتے ہیں، سوجھ بوجھ سے کام لیتے ہیں اور قدرت کے عجائبات، فطرت کے مظاہر اور اللہ کی نشانیوں سے سبق حاصل کرتے ہیں۔ قرآن میں ایک جگہ انسان کی مٹی سے تخلیق، ان کے جوڑے پیدا کرنا، ان کی زبان ورنگ میں اختلاف، بارش کا نزول ومردہ زمین کو زندہ کرنے اور حیات بعدالموت کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی حکمتوں و مصلحتوں کو وہی لوگ سمجھیں گے جو علم رکھنے والے ہیں یا اس سے رہنمائی حاصل کرنے والے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

إِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَآیَاتٍ لِّلْعَالِمِیْنَ۔ (الروم/۲۲) اس میں دراصل نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر سورج کو ضیاپاش اور چاند کو منور کرنے اور ان کے لیے منازل مقرر کرنے کی حکمت بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوا:

یُفَصِّلُ الْآیَاتِ لِقَوْمٍ یَعْلَمُوْنَ۔ (یونس/۵) وہ اپنی نشانیوں کو کھول کھول کر بیان کر رہا ہے ان لوگوں کے لیے جو علم والے ہیں۔

اسی طرح سفر کے دوران تاریکی میں راستہ کی پہچان کے لیے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان میں جو نشانیاں پیدا کی ہیں ان کے ذکر کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

قَدْ فَصَّلْنَا الْآیَاتِ لِقَوْمٍ یَعْلَمُوْنَ۔ (الانعام/۹۷) ہم نے اپنی نشانیاں ان لوگوں کے لیے کھول کھول بیان کر دی ہیں جو علم رکھتے ہیں۔

یعنی علم کا صحیح استعمال کرنے والے ان چیزوں کے فوائد کے ادراک کے علاوہ یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ یہ چیزیں مثلاً ستارے کسی خالق کے فرمان کے تابع ہیں۔ نہ یہ اپنے وجود میں مستقل ہیں اور نہ اپنے بقا و عمل میں۔ یہ اسی کے بنائے ہوئے قانون کے تحت انسان کی خدمت میں مصروف ہیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کے بنیادی عقاید کو ذہن نشیں کرانے اور اسلامی احکام و تعلیمات کی اہمیت و افادیت دلوں میں جاگزیں کرنے کے لیے بہت سی مثالیں بیان کی ہیں اور انبیاء و ان کی قوموں کے واقعات ذکر کیے ہیں۔ ان کے ضمن میں بھی یہ حقیقت آشکارا کی ہے کہ ان کو صحیح معنوں میں وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں یا ان سے عبرت و نصیحت حاصل کر سکتے ہیں جو علم رکھتے ہیں اور اپنے علم سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ:

وَتِلْکَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا یَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُوْنَ۔ (العنکبوت/۴۳) اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں اور ان کو وہی سمجھتے ہیں جو علم والے ہوتے ہیں۔

ان تمام باتوں سے یہ ذہن نشیں کرانا مقصود ہے کہ انفس وآفاق میں قدرت کی نشانیاں ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں، اللہ کی معرفت کے بہت سے دلائل وشواہد موجود ہیں اور اسلامی عقاید واحکام کی حقانیت وافادیت کے ثبوتوں کی کمی نہیں لیکن یہ انھیں لوگوں کے لیے عبرت پذیری ورہنمائی کا ذریعہ بنتے ہیں جو علم سے بہرہ ور ہیں اور اس کا صحیح استعمال کرنے والے ہیں۔

مزید براں قرآن مجید سے اہل علم کی یہ خصوصیت بھی ظاہر ہوتی ہے کہ جب ان کے سامنے حقایق آجاتے ہیں، کسی عقیدہ یا نظریہ کی صداقت شواہد کی بنیاد پر واضح ہوجاتی ہے تو وہ اس کو قبول کرنے میں پس وپیش نہیں کرتے بلکہ آگے بڑھ کر ان کی حقانیت و صداقت کو تسلیم کرلیتے ہیں اور حق کے سامنے سرافگندہ ہوجاتے ہیں۔ بالفاظ دیگر حق پر آمنّا وصدّقنا کہنا سچے اہل علم کی خاص روش ہوتی ہے۔ قرآن میں ایک جگہ اسلام کے عقاید و بنیادی تعلیمات کی حقانیت وصداقت واضح کرنے اور اس کے ثبوت میں دلائل وشواہد کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ ۔(الحج ۵۴)

اور تاکہ وہ لوگ جنھیں علم عطا ہوا ہے اچھی طرح جان لیں کہ یہی تیرے رب کی جانب سے حق ہے، پس وہ ان پر ایمان لائیں اور ان کے دل اس کے آگے جھک جائیں۔

اہل علم کی ان خصوصیات کی نشان دہی کے ساتھ قرآن نے انھیں ایک قیمتی پیغام بھی دیا ہے۔ یہ ان آیات پر غور وفکر سے بین السطور ملتا ہے جن میں قرآن نے انسانی علم کی بابت اپنا نقطہ نظر واضح کیا ہے اور وہ ہے تواضع وانکسار اختیار کرنا۔ یہ وصف تو ہر شخص سے مطلوب ہے لیکن اہل علم کے سیاق میں اس کی اہمیت اس وجہ سے ہے کہ ان کا تعلق لوگوں کے اس مخصوص طبقہ سے ہے جن میں عُجب وتکبر کا پیدا ہونا ایک عام بات ہے۔ اس پیغام کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ اپنے علم پر نازاں نہ ہوں، علم کے کسی بھی میدان میں اپنے کو کامل نہ سمجھیں، دوسروں پر اپنی علمی برتری نہ جتائیں اور نہ کسی کو علم کے باب میں حقیر وکم تر

تصور کریں۔ دوسرے لفظوں میں تقریر وتحریر اور عمل و برتاؤ ہر معاملہ میں تواضع کا رویہ اختیار کریں۔ قرآن نے یہ پیغام مختلف انداز میں دیا ہے۔

اوپر متعدد آیات کے حوالہ سے قرآن کا یہ نقطہ نظر واضح کیا جاچکا ہے کہ علم عطیہ خداوندی ہے۔ انسان کو کچھ نہیں معلوم تھا اللہ نے اسے علم کی دولت سے نوازا، علم کے حصول وفروغ کے ذرائع اسے عطا کیے جنھیں استعمال کرکے وہ بتوفیق الٰہی اس لائق بن گیا کہ وہ علم حاصل کرکے دوسروں تک منتقل کرسکے۔ اللہ جب چاہے اس عطیہ کو واپس لے سکتا ہے اور اپنی قدرت کے اس کرشمہ کو دکھاتا رہتا ہے۔ بعض اوقات انسان علم کی ترقی کے تمام منازل طے کرکے پھر کم علمی یا عدم علم کی اس منزل میں پہنچ جاتا ہے جس میں وہ اپنی زندگی کے ابتدائی مرحلہ میں تھا۔ خاص طور سے بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ کر وہ اس حالت میں ہوجاتا ہے۔ قرآن کی بعض آیات میں اس حقیقت کو بیان بھی کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ قَدِيرٌ۔ (النحل/۷۰)

تم میں سے بعض عمر کی بدترین حد کی طرف لوٹا دیے جاتے ہیں کہ جاننے کے بعد وہ کچھ نہ جانیں۔ بے شک اللہ علم اور قدرت والا ہے۔

اس سے اس حقیقت کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ علم اور اس کی ترقی یہ سب کچھ اللہ کا عطیہ ہے۔ انسان کو بطور امانت یہ نعمت نصیب ہوتی ہے لہٰذا اس پر فخر وغرور کسی طرح مناسب نہیں ہے، بلکہ اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اللہ کی عظمت و کبریائی کا اقرار کرتے ہوئے اپنی عاجزی، کم مائیگی اور کم علمی کا اعتراف کرنا چاہیے۔

دوسرے قرآن میں انسان کو اس کے علم کی محدودیت کی طرف بھی متوجہ کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اسے علم کا بہت تھوڑا حصہ دیا گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا۔ (بنی اسرائیل/۸۵)

اور وہ تم سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دو کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمھیں علم کا محض تھوڑا حصہ دیا گیا ہے۔

یعنی انسان نہ تو ہر چیز کو جان سکتا ہے اور نہ ہر شئ کی کُنہ تک پہنچ سکتا ہے۔ اس کا علم بہت ہی محدود ہے۔ اس لیے اس کے لیے ہمہ دانی کا دعوی بے سود ہے۔ یا یہ سمجھنا کہ اس نے علم کے فلاں شعبہ میں مہارت تامہ حاصل کرلیا یا کمال کی منزل کو پہنچ گیا حقیقت واقعہ کے خلاف ہے اور اپنی کم مائیگی کا اظہار کرنا قرآن کی رو سے عین مطلوب ہے۔

تیسرے قرآن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر علم والے سے بڑھ کر ایک علم والا ہے (وفوق کل ذی علم علیم۔ (یوسف/۷۶) / اور ہر علم والے سے بالاتر ایک علم والا ہے) یعنی کوئی شخص علم کے میدان میں ہر لحاظ سے کمال کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ ایک شخص علم قرآن کا ماہر ہے تو کوئی ضروری نہیں کہ اس کا علم قرآنی علوم کے تمام پہلوؤں کو محیط ہے۔ ممکن ہے دوسرا اس میدان میں اس سے زیادہ مہارت رکھتا ہو، اسی طرح ایک شخص اسلامی علوم میں درک رکھتا ہے لیکن وہ سائنسی علوم سے بالکل نابلد ہے۔ دوسرا سائنس کا ممتاز اسکالر ہے لیکن یہ عین ممکن ہے کہ اسے اسلامیات کی بالکل شُد بُد نہ ہو، مختصر یہ کہ ہر میدان میں ایک سے بڑھ کر ایک علم والا ہے۔ دوسرے کسی مضمون میں ایک شخص کو مہارت حاصل ہے تو دوسرے میں اس کا علم ناقص ہے۔ یعنی یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہر شخص علم کے تمام شعبوں میں یکساں مہارت رکھتا ہو۔ تیسرے یہ آیت سب سے بڑی جس حقیقت کی طرف اشارہ کررہی ہے وہ یہ کہ سب سے بڑا علیم وخبیر تو اللہ تعالیٰ ہے، اس سے بڑھ کر علم والا کون ہوسکتا ہے۔ اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ اس ذات علیم وخبیر کے مقابلہ میں انسان کا علم ہیچ یا بہت ہی محدود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں انسان کو یہ حقیقت بار بار اس انداز میں یاددلائی ہے کہ اللہ جانتا ہے تم کچھ نہیں جانتے (واللہ یعلم وانتم لا تعلمون - البقرہ/۲۱۶، ۲۳۲، آل عمران/۶۶) اس لیے انسان کا اپنے علم پر غرہ کرنا یا اپنی علمی برتری جتانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

اوپر کی تفصیلات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن کا تصور علم بہت سے امتیازات کا حامل ہے۔ اس کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ اس نے علم اور صاحب علم کا رشتہ رب کائنات سے مرتبط کیا۔ قرآن نے علم کو عطیہ الٰہی قرار دے کر انسان کو یہ ذہن نشیں کرایا کہ

اللہ رب العزت نے اسے حصولِ علم کے ذرائع عطا کیے، ان کے استعمال کا طریقہ سکھایا اور اسے ان چیزوں کا علم دیا جن سے وہ ناواقف تھا۔ اس طرح علم کے باب میں اللہ کا فضل و کرم یاد دلا کر انسان کو یہ درس دیا کہ وہ علم کے حصول اور اس سے فائدہ اٹھاتے وقت منعم حقیقی کو یاد کرے اور اس کا شکر بجالائے۔ قرآن نے علم کو نفع بخش بنانے پر زور دے کر حصول علم کے مقصد کو پاکیزگی و بلندی عطا کی اور اس کا تعلق انسانیت کی خدمت سے جوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے علم قرآن کو خاص طور سے اپنی صفت رحمانیت کا مظہر قرار دے کر اس کی قدر و قیمت دوبالا کی، اس طرح اس کے سب سے زیادہ نفع بخش ہونے کا تصور سامنے آیا اس لیے کہ اس کا تعلق اس کتاب عزیز سے ہے جس کا بنیادی وصف راہ مستقیم دکھانا اور اس پر چلنا آسان بنانا ہے اور انسان کے لیے اس راہ پر چلنے سے زیادہ نفع بخش اور کیا ہوسکتا ہے۔ مذکورہ مباحث سے یہ نتیجہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ قرآن کی نظر میں اہل علم کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے خاص طور سے ان اہل علم کا جن کا علم انھیں معرفت الٰہی سے ہم کنار کرتا ہے، ان میں خشیت و خداترسی کی صفت پروان چڑھاتا ہے، اللہ کی قدرت کے مظاہر اور اس کی نشانیوں سے عبرت حاصل کرنے میں ممد و معاون بنتا ہے اور ان سب کے علاوہ انھیں حق کی قبولیت اور حق بات کے اظہار پر آمادہ کرتا ہے۔ مزید براں قرآنی تصور کے مطابق انسان کا علم بہت محدود و ناپائیدار ہے، جو کچھ علم اسے میسر ہوا ہے وہ محض اللہ کے فضل و کرم سے اور اس کی جانب سے امانت کے طور پر۔ اس لیے کسی کے لیے اپنے علم پر فخر و غرور کرنے کا نہ تو کوئی جواز ہے اور نہ فائدہ۔ زندگی کے دوسرے معاملات کی طرح اس باب میں بھی تواضع و انکساری کی روش اختیار کرنا حکم الٰہی کی تعمیل کی سعادت حاصل کرنا ہے۔ آخری بات یہ کہ قرآن علم کی راہ میں تگ و دو اور اس کی ترقی کے لیے کوشش کی ترغیب دیتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ اللہ رب العزت سے رجوع کرنے کی تعلیم دیتا ہے اس لیے کہ اسی ذات رحیم و کریم کے فضل و کرم سے یہ نعمت نصیب ہوتی ہے اور اسی کی توفیق سے اسے ترقی بھی ملتی ہے۔ اللھم وفقنا بما تحب و ترضی۔

☆☆☆